# اقبال کا تصورِ عشق

اسلام کا بہترین علم الادب

اقبال کا تصورِ عشق ان کے دوسرے مابعد الطبیعاتی اور معاشرتی تصورات کی
طرح اسلامی بصیرت سے فیض یاب ہے۔ عشق کی اصطلاح کو اقبال نے نہایت وسیع و
ہمہ گیر مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ وہ عالمگیر قوت حیات جسے ۱۹ صدی اور ۲۰ ویں صدی
کے مغربی مفکرین نے life force سے موسوم کیا ہے جسے ڈاروِن نے عزم للبقاء will to live سے
تعبیر کرتا ہے۔ اور شوپنہاور محض ایک اندھا یا بے مقصد عزم الارادہ Blind will بلکہ
کہتا ہے۔ اور جس کے متعلق نطشے کا خیال ہے کہ وہ نہ بے مقصد عزم ہے اور نہ محض عزم
للبقاء بلکہ اپنی ماہیت کے اعتبار سے عزم للقوت will to power ہے اقبال نے اسی
عالمگیر جذبہ یا عزم الارادی کو عشق سے تعبیر کیا ہے۔ اور عشق کے مفہوم میں ایسی
جامعیت پیدا کی ہے کہ بے مقصد عزم، عزم للبقاء، عزم للقوت سب جذبۂ عشق کے مختلف
مظاہر manifestation کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ سائنسی اور فلسفیانہ افکار کی
تاریخ میں جب کوئی عظیم مفکر بنیادی مسائل کے تعلق سے کوئی نیا نظریہ پیش کرتا ہے
تو ان مسائل پر پیش کئے ہوئے سابقہ تصورات اپنے منزلے کی جزوی حقیقت
معلوم ہونے لگتے ہیں یہی حال اقبال کے تصورِ عشق کا ہے۔ جو اندھے عزم، عزم للبقاء،
عزم للقوت اور صوفیاء کے تصورِ عشق الٰہی سب پر محیط ہے۔ بنیادی جذبہ حیات
جس کی ڈاروِن، شوپنہاور اور نطشے مختلف تعبیرات پیش کرتے ہیں اقبال
کے نزدیک انسانی تہذیب کے اعلیٰ مدارج پر پہنچ کر محض عزم للبقاء یا عزم للقوت
نہیں، بلکہ عزم صداقت will to truth یا صداقت سے عشق، خیر سے عشق will to good
اعلیٰ انسانی اقدار سے عشق، خدائی اوصاف سے عشق یا عمر اعلیٰ اخلاق مکارم اخلاق
نطشے کے الفاظ میں morality of the noble ones
انسانی نمونوں سے عشق کی مقدس اکمل اور نصب العین
Sublime کی شکل اختیار کر لیتا ہے

اقبال کا یہ تصور یہ نصب العین جو اسلامی تہذیب کا اساسی عنصر ہے اقبال کے پیش رو ؤں

وہ بھی کے یہاں بھی ملتا ہے اور اقبال نے اس سے استفادہ کیا ہے عشق کو عالمگیر قوت حیات

کے معنی پہنانے اور عشق کو ایک مستقل نظام فلسفہ کی بنیاد بنانے کا تعلق ہے یہ

خیال بہت پہلے بو علی سینا نے پیش کیا تھا - اور شاید اقبال نے بھی [کا ذہن میں] یہ خاکہ قبول کیا تھا فلسفہ

عجم اقبال کی مقالہ The development of metaphysics in Persia میں عشق کا ذکر کیا ہے ابن سینا کے الفاظ

میں عشق کا ایک عالمگیر جذبہ حیات ہے جو حیات کے نباتی [معدنیاتی] اور حیوانی مدارج سے لے کر انسانی

کے روحانی ارتقا کے تک ہر سطح پر حرکت اور ارتقا کے محرک جذبہ کی حیثیت سے کار

فرما ہے - اس تصور کی جدید فلسفیانہ بنیادوں پر تشکیل، اور اس قالب میں روح

اسلامی کا نفخ اقبال کی فکر رسا کی دین ہے -

اسلاف صاحب عشق ہے وہ فاتح عالم ہی نہیں بلکہ عالم کے لئے باعث رحمت بھی ثابت ہوتا ہے

عشق کا معروض object - اقبال کے نزدیک حقیقت کاملہ Total Reality خودی مطلق

اور یہ خودی مطلق سرچشمہ ہے کثیر اور ادنیٰ درجہ کی ان تمام خودیوں کا جن کے مجموعہ

سے کائنات عبارت ہے ہر کائنات میں ایک خلش و اضطراب کا راز بانفوا آتا ہے

اضطراب مسلسل کے اس عالمگیر ظہور [مظہر قوت طبیعیات] Phenomena میں دل عنصر ہے وہ کون عالمگیر

قانون ہے جو مظاہر فطرت پر حکمرانی کرتا ہے اقبال کے نزدیک عالمگیر قانون جذبہ

عشق ہے یہ وہ جذبہ ہے جس کی وجہ سے ہر شے اپنے مبدا [بنیاد] اپنی اصل کی طرف عود کر تا ہے

[عقلی ذہنی وجدانی] عشق ہی حقیقت حیات ہے اور یہی کائنات کا دل [بصیرت، ماورائے کو توت] Direct intellectual intuition

اسی عشق کی ایک چنگاری ہے یہ عین یا حقیقت حیات ایک تریں [ہر مظہر فطرت کا عکس] Noumena

ہے اور اقبال کے نزدیک اس بنیادی تڑپ اور اضطراب کی بطالت اپنی اصل کی طرف عود کرنے کی آرزو ہے

مسلسل ہے موجود تمام ہے وجود مطلق یا اپنے مبدا کا قرب دوبارہ حاصل کرنے کی آرزو

حقیقت مطلق کو عشق کا - خودی اور اضافی خودیوں کی اس کا آغاز میں عشق کی

چنگاری خودی کی پر اسانی میں میکانکی نامیاتی [عضویاتی] organic یا [illegible] صورتوں میں کار فرما ہے انسانی شعور

ارتقا کی اعلیٰ سطحوں پر پہنچ کر یہ جذبہ اپنی ماہیت اور اپنے مقصود سے [illegible]

# اقبال

غالب کے بعد ہندوستان میں اردو شاعری کے جسم میں ایک نئی روح پھونکنے والے اقبال ہی تھے جن کی بدولت غالب جیسا بے نظیر تخیل اور انداز بیان پھر وجود میں آیا اور اردو ادب کے فروغ کا باعث بنا۔ اردو زبان کی یہ خوش قسمتی ہے کہ اس زمانے میں اقبال سا شاعر اسے نصیب ہوا جس کے کلام کا سکہ ہندوستان ہی کے اردو دانوں کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے اور جن کی شہرت روم و ایران بلکہ فرنگستان میں بھی ہے۔

غالب اور اقبال میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ غالب کو اردو اور فارسی سے عشق تھا یہی بات اقبال میں بھی پائی جاتی ہیں۔ غالب کے انتقال کے بعد اقبال نے اردو شاعری کے چمن کی آبیاری کی۔ وہ پنجاب کے ایک گوشہ جس کو سیالکوٹ کہتے ہیں پیدا ہوئے۔ محمد اقبال ان کا نام ہے

جب شیخ محمد اقبال کے والد اور والدہ نے ان کا نام تجویز کیا تھا تو شاید یہ قبولیت کا وقت تھا کہ ان کا دیا ہوا نام اپنے پورے معنوں میں صحیح ثابت ہوا اور ان کا اقبال بلند ہوتا ہندوستان میں تحصیل علم سے فارغ ہو کر انگلستان پہنچا۔ وہاں کا کورس ختم کرنے کے بعد جرمنی گیا اور علمی دنیا کے اعلیٰ مدارج طے کرنے کے بعد واپس آیا۔

شیخ محمد اقبال کا قیام یورپ کا زمانہ بہت ہی کارگر گزرا وہاں انہوں نے بہت سی فارسی کتابوں کا مطالعہ کیا اور اس مطالعہ کا خلاصہ ایک محققانہ کتاب کی صورت میں شائع کیا جسے فلسفۂ ایران کی مختصر تاریخ کہا جاتا ہے۔ اسی کتاب کو دیکھ کر جرمنی والوں نے شیخ محمد اقبال کو ڈاکٹر کا علمی درجہ دیا۔ سرکار انگریزی نے بھی ڈاکٹر صاحب کی عالمگیر شہرت کو دیکھ کر ازراہ قدردانی سر کا ممتاز خطاب عطا کیا۔ اب وہ اسی نام سے جانے جاتے ہیں لیکن ان کا نام جس میں لطف خداداد ہے کہ نام کا نام ہے اور تخلص کا تخلص ان کی ڈاکٹری اور سری سے زیادہ مشہور اور مقبول ہے۔

سیالکوٹ کی کالج کے ایک بزرگ مولوی سید میر حسن علوم مشرقیہ کے استاد تھے انہیں گورنمنٹ آف انگلشیہ نے شمس العلماء کا خطاب بھی عنایت کیا تھا۔ ان کی خصوصیت یہ تھی کہ جو کوئی ان سے فارسی یا عربی سیکھے اس کی طبیعت میں اس زبان کا صحیح مذاق پیدا کر دیتے۔ اقبال کو بھی ابتدائے عمر میں مولوی سید میر حسن سا استاد ملا۔ طبیعت میں علم ادب سے مناسبت قدرتی طور پر موجود تھی۔ فارسی اور عربی کی تحصیل مولوی صاحب موصوف سے کی سونے پر سہاگہ ہو گیا۔

اقبال ابھی سکول میں پڑھ رہے تھے کہ کلام موزوں زبان سے نکلنے لگا۔ پنجاب میں اردو کا رواج اس قدر تھا کہ ہر شہر میں زباندانی اور شعر و شاعری کا چرچا تھا۔ سیالکوٹ میں بھی شیخ محمد اقبال کی طالب علمی کے دنوں میں ایک چھوٹا سا مشاعرہ ہوتا تھا اس کے لئے اقبال نے بھی کبھی غزل لکھنی شروع کر دی۔ اردو شعراء میں اس زمانے میں نواب مرزا خان داغ دہلوی کا بہت شہرہ تھا نظام دکن کے استاد ہونے سے ان کی شہرت اور بڑھ گئی۔ لوگ ان کے پاس جا نہیں سکتے تھے خط و کتابت کے ذریعہ دور ہی سے شاگردی کی نسبت پیدا کرتے۔ غزلیں ڈاک میں ان کے پاس جاتیں اصلاح کے بعد واپس

بھیجتے۔ اس طرح ان کے سینکڑوں آدمی ان سے غائبانہ تلمذ رکھتے تھے اور انہیں اس کام کے لئے ایک عملہ اور دفتر رکھنا پڑتا۔ شیخ محمد اقبال نے بھی انہیں خط لکھا اور چند غزلیں اصلاح کے لئے بھیجیں اس طرح اقبال کو اردو زبان دانی کے لئے بھی استاد سے نسبت پیدا ہوئی۔ داغ نے پہچان لیا کہ پنجاب کے ایک دور افتادہ ضلع کا یہ طالب علم آئندہ چل کر بہت بڑا شاعر ہوگا۔ انہوں نے جلد کہہ دیا کہ کلام میں اصلاح کی بہت کم گنجائش ہے اسی لئے یہ سلسلۂ تلمذ قائم نہیں رہ سکا البتہ اس کی یاد دونوں طرف باقی رہی۔ اقبال کے دل میں داغ سے اس مختصر اور غائبانہ تعلق کی بھی قدر ہے۔ داغ مرحوم اس بات پر فخر کرتے تھے کہ اقبال بھی ان لوگوں میں شامل ہے جن کے کلام کی انہوں نے اصلاح کی۔

سیالکوٹ کے کالج میں ایف اے کے درجے تک تعلیم حاصل کی۔ بی اے کے لئے انہیں لاہور آنا پڑا۔ انہیں فلسفہ کا بڑا شوق تھا لاہور کے ایک استاد نے ان کی مناسبت دیکھ کر خاص توجہ سے پڑھایا۔ پروفیسر آرنلڈ جو آگے چل کر سر ٹامس آرنلڈ بن گئے غیر معمولی قابلیت کے شخص تھے۔ قوت تحریر بہت اچھی تھی علمی جستجو اور تلاش جدید سے خوب واقف تھے انہوں نے چاہا کہ اپنے شاگرد کو اپنے مذاق اور اپنے طرز علمی سے حصہ دیں اور وہ اس ارادہ میں بہت کچھ کامیاب ہوئے۔ علی گڑھ کالج کی پروفیسری کے زمانہ میں اپنے دوست مولانا شبلی کے مذاق علمی کو پختہ کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ اب انہیں یہاں ایک اور جوہر قابل نظر آیا جس کے چمکانے کی آرزو ان کے دل میں پیدا ہوئی اور جو دوستی اور محبت استاد اور شاگرد میں پہلے دن سے پیدا ہوئی وہ آخر تک شاگرد کو استاد کے پیچھے پیچھے انگلستان لے گئی۔ اور وہاں یہ رشتہ اور بھی مضبوط ہوگیا آرنلڈ خوش تھے کہ میری محنت ٹھکانے لگی میرا شاگرد علمی دنیا میں میرے لئے بھی باعث شہرت افزائی ہوا اور اقبال معترف ہے کہ جس مذاق کی بنا دیر سید میر حسن نے ڈالی تھی اور جسے درمیان میں داغ کے غائبانہ تعارف نے بڑھایا تھا اس کے آخری مرحلے آرنلڈ کی شفیقانہ رہبری سے طے ہوا

اقبال کو اپنی علمی منازل طے کرنے میں اچھے اچھے رہبر ملے اور بڑے بڑے علماء سے سابقہ پڑا ان لوگوں میں کیمبرج یونیورسٹی کے میک ٹیگرٹ، براؤن، نکلسن اور سارلی قابل ذکر ہیں پروفیسر نکلسن نے اقبال کی مشہور فارسی نظم "اسرار خودی" کا انگریزی ترجمہ کرکے اور اس پر دیباچہ اور حواشی لکھ کر یورپ اور امریکہ کو اقبال سے روشناس کرایا۔ اسی طرح ہندوستان کی علمی دنیا میں جتنے نامور اس زمانے میں موجود تھے مثلاً شبلی حالی اکبر وغیرہ سب سے اقبال کی ملاقات اور خط و کتابت رہی اور ان کے اثرات اقبال کے کلام پر اور اقبال کا اثر ان کی طبائع پر پڑتا رہا مولانا شبلی نے بہت سے خطوط میں اور اکبر نے نہ صرف خطوں میں بلکہ اپنے اشعار میں اقبال کے کلام کا اعتراف کیا اور اقبال نے اپنی نظم میں ان بزرگوں کی جابجا توصیف کی ہے

ابتدائی مشق کے دور کو چھوڑ کر اقبال کا اردو کلام بیسویں صدی کے آغاز سے کچھ پہلے شروع ہوتا ہے۔ ۱۹۰۱ء سے غالباً دو تین سال قبل انہیں پہلا پہلی مرتبہ لاہور کے ایک مشاعرے میں ان کو

ان کو چند ہم جماعت کھینچ کر لے گئے تھے اور انہوں نے کہہ سن کر ایک غزل بھی پڑھوائی اس وقت تک لاہور میں لوگ ان سے واقف نہ تھے چھوٹی سی غزل سادہ سے انداز زمین بھی مشکل نہ تھی مگر کلام میں شوخی اور بے ساختہ پن موجود تھا اسے پسند کی گئی۔ اس کے بعد دو تین مرتبہ اسی مشاعرہ میں انہوں نے غزلیں پڑھیں اور لوگوں کو معلوم ہوا کہ ایک ہونہار شاعر میدان میں آیا ہے۔ مگر یہ شہرت پہلے پہلے لاہور کے کالجوں کے طلبہ اور بعض تعلیمی مشاغل میں مصروف لوگوں تک محدود رہی اتنے میں ایک ادبی مجلس قائم ہوئی جس میں مشاہیر شریک ہونے لگے۔ شیخ محمد اقبال نے اس کے ایک جلسہ میں ہمالہ نظم پڑھی جس میں انگریزی خیالات تھے اور فارسی بندشیں اس پر خوبی یہ کہ وطن پرستی کی چاشنی اس میں موجود تھی۔ مذاق زمانہ اور ضرورت وقت کے موافق ہونے کے سبب بہت مقبول ہوئی اور کئی طرف سے فرمائشیں ہونے لگیں کہ اسے شائع کیا جائے۔ مگر شیخ صاحب یہ عذر کر کے کہ ابھی نظر ثانی کی ضرورت ہے اسے اپنے ساتھ لے گئے اور وہ اس وقت چھپنے نہ پائی۔ لیکن ایڈیٹر مخزن نے اس نظم کو اپریل ۱۹۰۱ میں شائع کی یہاں سے اقبال کی شاعری کا باقاعدہ طور پر آغاز ہو گیا اور یہ سلسلہ ۱۹۰۵ تک جاری رہا جب وہ ولایت گئے۔

اول اول جو نظمیں جلسۂ عام میں پڑھی جاتی تھیں تحت اللفظ میں پڑھی جاتی تھیں۔ دوستوں کے اصرار پر آپ نے ایک مرتبہ ترنم سے پڑھا آواز قدرتاً بلند اور خوش آئند تھی۔ لاہور میں جلسۂ حمایت اسلام میں جب اقبال کی نظم پڑھی جاتی تو دس دس ہزار آدمی ایک وقت میں جمع ہوتے اور جب تک نظم پڑھی جاتی لوگ دم بخود بیٹھے رہتے جو سمجھتے وہ بھی محو اور جو نہیں سمجھتے وہ بھی محو ہوتے

۱۹۰۵ سے ۱۹۰۸ تک اقبال کی شاعری کا دوسرا دور شروع ہوا یہ وہ زمانہ ہے جو انہوں نے یورپ میں بسر کیا اس زمانے میں دو بڑے تغیر ان کے خیالات میں آئے ان تین سالوں میں [illegible] (۱) ان کا ارادہ مصمم ہو چکا تھا کہ وہ شاعری ترک کر دیں کیونکہ شاعری میں جو وقت صرف ہوتا ہے اسے کسی مفید کام میں صرف کریں۔ دوست احباب نے اصرار کیا کہ اس ارادہ کو ترک کر دیں اور شعر کا سلسلہ جاری رکھیں۔ پروفیسر آرنلڈ تک بات پہنچی تو انہوں نے بھی یہی رائے دی کہ اقبال کے لیے شاعری کو چھوڑنا جائز نہیں ہے جو وقت وہ اس شغل کے لیے صرف کرتے ہیں وہ ان کے لیے اور ان کے ملک و قوم کے لیے مفید ہے۔ اور آپ نے اپنا ارادہ ترک کر دیا شاعری کی طرف مائل رہے (۲) دوسرا تغیر ایک چھوٹے سے آغاز سے بڑے انجام تک پہنچا یعنی اقبال کی شاعری نے فارسی زبان کو اردو زبان کی جگہ اپنا ذریعہ اظہار خیال بنا لیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جوں جوں ان کا مطالعہ علم فلسفہ کے متعلق گہرا ہوتا گیا اور دقیق خیالات کے اظہار کو جی چاہا انہوں نے دیکھا کہ فارسی کے مقابلہ میں اردو کا سرمایہ بہت کم ہے اور فارسی میں کئی فقرے اور جملے سانچے میں ڈھلے ہوئے ایسے ملتے ہیں جن کے مطابق اردو میں فقرے ڈھالنا آسان نہیں اس لیے وہ فارسی کی طرف مائل ہو گئے۔

فارسی میں اقبال کے قلم سے تین کتابیں نکلیں "اسرار خودی"، "رموز بے خودی" اور "پیام مشرق" ایک سے ایک بہتر پہلی کتاب سے دوسری میں زبان زیادہ سادہ اور عام فہم ہے اور تیسری دوسری سے زیادہ سلیس۔ تمام اسلامی دنیا میں کم و بیش اقبال کا کلام اسی ذریعہ سے پہنچا اور اس میں ایسے خیالات تھے جن کے اشاعت کی ضرورت تھی اور اسی وسیلے سے یورپ اور امریکہ والے ایسے شاعر مشرق کے حالات و خیالات سے آشنا ہوئے۔ اقبال نے پیام مشرق میں

اقبال صے

یورپ کے ایک نہایت بلند پایہ شاعر گوئٹے کے "سلام مغرب" کا جواب لکھا ہے اور اس میں نہایت حکیمانہ خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس کے اشعار میں بعض بڑے بڑے عقدے حل ہوئے ہیں جو پہلے آسان طریق سے بیان نہیں ہوئے تھے۔ ایک مدت سے بعض رسائل و اخبارات ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال کو "ترجمان حقیقت" کے لقب سے یاد کرتے تھے ان کتابوں کے خاص خاص اشعار سے یہ ثابت ہے کہ وہ اس لقب سے ملقب ہونے کے مستحق ہیں اور جس کسی نے یہ لقب ان کے لئے پہلے وضع کیا اس نے مبالغہ نہیں کیا۔

فارسی گوئی کا ایک اثر اقبال کے اردو کلام پر یہ ہوا کہ جو نظمیں اردو میں دور سوم میں لکھی گئی ہیں ان میں سے اکثر میں فارسی ترکیبیں اور فارسی بندشیں پہلے سے ہی زیادہ ہیں اور بعض جگہ فارسی اشعار پر تضمین کی گئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قلم کا گھوڑا جو فارسی کے میدان میں تیز رفتاری سے دوڑ رہا تھا اس کی باگ کسی قدر تکلف کے ساتھ اردو کی طرف موڑی جا رہی ہے۔ اقبال کے اردو کلام کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے حصہ اول میں ۱۹۰۵ تک کی نظمیں ہیں حصہ دوم میں ۱۹۰۵ سے ۱۹۰۸ تک کی اور حصہ سوم میں ۱۹۰۸ سے آخر تک کی نظمیں شامل ہیں۔

بانگ درا
بال جبریل
ضرب کلیم
ارمغان حجاز

ان سارے حصوں میں خیالات کی فراوانی ہے اور مطالب و معانی بھی یکجا ہیں کیونکہ اس میں ایک صدی کے چہارم حصے کے مطالعے اور تجربے اور مشاہدے کا نچوڑ اور سیر و سیاحت کا نتیجہ ہے بعض نظموں میں ایک ایک شعر اور ایک ایک مصرعہ ایسا ہے جس پر ایک مستقل مضمون لکھا جا سکتا ہے